سیاسیاتِ عالم

ملّی سلامت پارٹی

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

مئی ۱۹۷۱ء میں ملی نظام پارٹی کی اسلامی جدوجہد اور عوامی مقبولیت سے گھبرا کر ترکی کے فوجی عناصر نے انقلاب برپا کر دیا اور پارٹی کو خلاف قانون قرار دے کر اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگا دی تاکہ ملک سیکولر اتاترک نظریہ کی راہ پر گامزن رہے اور اسلامی نظام کی راہ ہموار نہ ہو سکے۔ بدلتے ہوئے حالات میں تحریک اسلامی ترکی کے سربراہ پروفیسر نجم الدین اربکان نے نئی حکمت عملی اختیار کی اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو ملی سلامت پارٹی کے نام سے ایک نئی جماعت تشکیل دی۔

۱۹۷۳ء میں پارلیمانی انتخابات ہوئے تو ملّی سلامت پارٹی نے اس میں شرکت کی ۱۱ فیصد ووٹ حاصل کر کے اور ۴۸ نمائندوں کو فتحیاب بنا کر پروفیسر نجم الدین اربکان نے ثابت کر دیا کہ اسلام سے محبت وعقیدت کا جذبہ ترکی قوم میں موجود ہے۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں پارٹی نمائندوں کی تعداد گھٹ کر نصف ہو گئی لیکن اس کے سیاسی اثرات اتنے وسیع اور مستحکم ہو گئے تھے کہ متعدد بار مخلوط حکومتوں میں اسے شامل کیا گیا۔ ۱۹۷۸ء کے ایرانی انقلاب کا اثر ترکی عوام پر بھی پڑا اور مغرب کے خلاف نفرت اور اس سے جہاد کے جذبات نے ترکی مسلمانوں کے دلوں میں بھی انگڑائی لی ملّی سلامت پارٹی اور اس کے رہنما قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایک بار پھر ہر دل عزیز اور سوالیہ نشان بن گئے اور ترکی میں اسلامی انقلاب کی دھمک سنائی دینے لگی کہ ۱۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو فوج کے ایک دستے نے انقلاب برپا کر کے عوامی حکومت کا خاتمہ کر دیا، پارلیمنٹ توڑ دی اور اقتدار پر قابض ہو کر اسلام پسندوں کے خلاف قانونی اور سیاسی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ پروفیسر اربکان کو اس جرم میں حوالۂ زنداں کر دیا گیا کہ انھوں نے سیاسی مقاصد کے لیے اسلام کو استعمال کیا تھا اور ملک کے سیکولر کردار کو چیلنج کیا تھا۔ تاہم فوجی جرنیلوں کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہو گیا کہ اب پچھلی تین دہائیوں میں ترکی سیاست

میں جو ارتقا ہوا ہے اور اسلام سے محبت وعقیدت کے جذبات میں جو تیزی آئی ہے اسے زیادہ دنوں تک دبایا نہیں جاسکتا۔

۱۹۶۱ء میں دستور میں جو ترمیمات ہوئی تھیں انہی پر اب تک عمل درآمد ہو رہا تھا۔ اس ترمیم شدہ دستور نے ۱۹۲۰ء کے دستور کے سیکولر کردار کو محفوظ رکھا تھا اس دستور کے مطابق مندرجہ ذیل قوانین و دفعات کو نہ عدالت عالیہ میں چیلنج کیا جاسکتا تھا اور نہ اس میں کسی قسم کی ترمیم یا حذف و اضافہ ممکن تھا۔

۱۔ وحدت تعلیم سے متعلق قانون۔
۲۔ مغربی ہیٹ کے استعمال سے متعلق قانون۔
۳۔ خانقاہوں اور زوایا پر پابندی سے متعلق قانون۔
۴۔ سول میرج پر مشتمل سول لا، کی دفعہ۔
۵۔ بین الاقوامی اعداد کو اختیار کرنے سے متعلق قانون۔
۶۔ لاطینی حروف سے متعلق قانون۔
۷۔ آفندی، بے، پاشا اور دوسرے خطابات کے استعمال کی ممانعت کا قانون۔
۸۔ متعین لباسوں کے استعمال پر پابندی سے متعلق قانون [۱]

اس دستور میں ملک کے سیکولر کردار سے متعلق تمام قوانین کا اندراج کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ تنسیخ خلافت کی دفعہ بھی غیر ضروری ہوگئی کیونکہ دستور کے مجوزین کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ خلافت کا کبھی احیاء ہوسکے گا۔ ڈائرکٹوریٹ جنرل آف ریلیجیز افیرز کی جگہ اب ڈائرکٹوریٹ آف کلٹس (Directorate of cults) نے لے لی تھی جس میں شیعہ سنی کردار کی کوئی صراحت نہ تھی۔ یہاں اس امر کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا کہ دستور کی بعض دفعات پہلے ہی منسوخ ہوگئی تھیں۔ مثال کے طور پر اذان ترکی زبان میں دینے اور مزارات پر حاضری کی ممانعت کی تنسیخ پہلے ہی عمل میں آچکی تھی۔ ان تین دہائیوں میں مذہبی آزادی اور عبادات و اعتقادات کی انجام دہی کی سرکاری اجازت کو بعض ماہرین سیاست نے مستحکم و منضبط جمہوریات کے قابل تعریف اور خوشکن پہلو سے تعبیر کی اور پانچ سو میٹر کے دائرہ پر مشتمل "صرف ایک مسجد ایک میونسپل ایریا میں" ۱۹۳۰ء کی سرکاری ورسمی اجازت کی جگہ اب وسیع پیمانے پر مساجد کی تعمیر و آبادکاری کو حکومت کا فراخدلانہ اقدام اور سیکولر جمہوریہ کا مثبت اور تعمیری قدم قرار دیا۔[۲] حالانکہ یہ سیاسی تجزیہ

بالکل غیر متوازن، غیر ایماندارانہ اور یک رخا تھا۔ حقیقت میں یہ ترک قوم کی اسلام کی طرف واپسی کی دلیل تھی اور مفاد پرست اور طالع آزما حکومت نے عوامی مطالبہ اور دباؤ سے مجبور ہو کر مذہبی آزادی کے خلاف عصبیت اور تشدد میں قدرے تخفیف کی تھی۔

۱۹۶۱ء کے دستور کی دفعہ ۲ کے مطابق سیکولرزم ریاست کا سنگ بنیاد ہے۔ دفعہ ۹ کا اعلان ہے کہ:

"No individual can exploit religion with the aim of changing the social, economic, political or legal structure of the state so as to promote religious principle, neither can he use religion to promote his personal or political interests".

(کوئی فرد ریاست کے سماجی، معاشی، سیاسی یا قانونی ہیکل میں ترمیم و تبدیلی کی خاطر مذہب کا استحصال نہیں کر سکتا کہ مذہبی اصولوں کو وہ فروغ دے سکے نہ وہ اپنے نجی یا سیاسی مفادات کی تحصیل کے لیے مذہب کا سہارا لے سکتا ہے)

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی دفعہ میں مذہبی حقوق کی ضمانت بھی تمام شہریوں کو فراہم کی گئی ہے۔ دفعہ ۱۲ مذہبی مساوات کی تلقین کرتی ہے۔ دفعہ ۵۷ کی عبارت کے مطابق تمام سیاسی جماعتوں سے مطلوب ہے کہ وہ سیکولرزم کے اصولوں سے ہم آہنگ رہیں۔ دفعہ ۲۱ کا اصرار ہے کہ مذہبی تعلیم کو جدید تعلیم و سائنس سے ہم آہنگی رکھتے ہوئے جاری رہنا چاہیے۔ ضابطۂ فوجداری (Turkish Criminal Code) دفعہ ۱۶۳ کے تحت ان تمام دفعات کی تنفیذ ناگزیر ہے۔ اسی ضابطہ کی دو مزید دفعات ۲۴۱ اور ۲۴۲ کے مطابق مذہب کا سیاسی استعمال فوجداری جرم اور واجب التعزیر ہے۔ دفعہ ۲۴۱ مذہبی رہنماؤں پر یہ بندش لگاتی ہے کہ وہ ریاست کے قوانین کی لادینیت کاری کے خلاف عوامی اظہار نہ کریں جبکہ دفعہ ۲۴۲ کا اعلان ہے کہ حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلانے یا بغاوت کرنے کے لیے سرکاری مذہبی منصب یا خطاب کا استعمال سخت سزاؤں کا موجب ہے۔ دستور کی ایک اور دفعہ جو تنظیمیں اور انجمنیں تشکیل دینے سے متعلق ہے، ان جماعتوں کو خلافِ قانون قرار دیتی ہے جو مذہبی بنیاد پر تشکیل پائیں۔ دفعہ ۱۶۳ ان افراد اور گروہوں کو بھی قابل سزا

قرار دیتی ہے جو سیکولرزم کے اصولوں کو خطرہ میں ڈالیں اسی طرح سیاسی پارٹیوں کی تاسیس سے متعلق ایکٹ بھی مذہب کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر بندش لگاتا ہے۔[۱۲]

دستور کی ان دفعات اور پارلیامنٹ کے ان ضوابط کی وجہ سے ترکی کے اسلام پسند حلقے کھل کر سیکولرزم کی مخالفت کر سکتے ہیں نہ مذہب کی علانیہ ترویج واشاعت کا کام کر سکتے ہیں اسی وجہ سے ترکی میں احیا اسلام کی سرگرمیاں سیاسی راہ سے، تدریج کے ساتھ اور قواعد وضوابط اور دستوری دفعات کے دائرہ میں رہ کر انجام پاتی ہیں۔ ملی نظام پارٹی کو عدالتی حکم کے تحت اسی وجہ سے غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا کہ اس نے اسلام کا نام لے کر ملکی قوانین میں خلل اندازی کی تھی۔ [۱۳]۱۹۸۰ء میں ملی سلامت پارٹی کی مخلوط حکومت کے باوجود ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۶۳ کا نفاذ کیا گیا اور دوسری سیاسی جماعتوں سمیت ملی سلامت پارٹی بھی خلاف قانون قرار دے دی گئی اور ملک میں فوجی حکومت قائم ہو گئی۔

ترکی میں فوجی عناصر کی سیکولرزم اور کمالیت سے غیر مشروط وفاداری ہی اسلامی عناصر کی راہ میں واحد رکاوٹ نہ تھی بلکہ ترکی سول کوڈ — جو سوئزرلینڈ کے ضابطۂ دیوانی سے مختلف نہ تھا — آج بھی پرسنل لا کی روح ہے اور سماجی وعمرانی تغیرات کی راہ میں مضبوط چٹان بن کر کھڑا ہے کیونکہ طبقہ اشرافیہ جو ذرائع ابلاغ پر حاوی ہے اور جو سول کوڈ کی تنفیذ کا بڑی حد تک ذمہ دار ہے: ججوں، وکیلوں، عوامی محتسبین، پروفیسروں اور انتظامیہ پر مشتمل ہے اور یہ طبقہ سیکولرزم کی گود میں پروان چڑھا ہے اور انہی اداروں میں اس کی تعلیم وتربیت ہوئی ہے پھر اس پر مستزاد یہ کہ ترکی میں بنیادی تبدیلی کے لیے پارلیمانی قانون سازی اور سیاسی جوڑ توڑ کافی نہیں ہے کیونکہ سماجی سطح پر بااثر طبقہ کے مفادات اور اس کی ذہنیت سیکولرزم کو تحفظ فراہم کر رہی ہے یہی وجہ ہے کہ ترکی میں متعدد بار سیکولر نظریات کے دفاع کے نام پر عسکری انقلاب آیا اور عوام کی جانب سے اس کی منضبط وموثر مخالفت ومزاحمت نہ ہو سکی اس کے علاوہ دو اہم عوامل مزید کارفرما ہیں:

۱۔ ترکی میں مذہبی تعلیم کے ماہرین، علما شریعت اور محققین علوم اسلامیہ کی سخت کمی ہے مساجد ومدارس میں کام کرنے والے مفتیوں اور علما کو وہ مقام ومرتبہ حاصل نہیں ہے جس سے وہ کسی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکیں۔ وہ ڈائرکٹوریٹ جنرل آف ریلجیز افیرز سے متعلق ہوتے ہیں اور تنخواہ دار ملازم ہونے کی وجہ سے ریاست کی متعین پالیسی سے باہر قدم نہیں نکال سکتے۔

۲۔ ترکی میں مذہب کو کلیدی و مرکزی مقام حاصل نہیں ہے اور حکومت سے بے اطمینانی اور سیاسی اضطرابات کے اظہار کے لیے دوسرے ادارے اور پلیٹ فارم موجود ہیں جبکہ ایران کے حالیہ انقلاب میں مذہب ہی آغاز سے انجام تک کلیدی کردار ادا کرتا رہا۔

تحریک اسلامی کی معاشی منصوبہ بندی

۱۹۴۶ء میں جب کثیر الجماعتی سیاسی نظام رائج ہوا تو مذہبی شعائر و عبادات کی انجام دہی کی آزادی نہ دینے کا مسئلہ شد و مد سے اٹھا اور تمام سیاسی پارٹیوں نے حکمراں جماعت ریپبلکن پیپلز پارٹی پر الزام لگایا کہ وہ اسلام کو پابہ سلاسل کرتی جارہی ہے۔ گزشتہ ۲۷ سالوں سے برسر اقتدار حکمراں جماعت کے مقابلے میں یہ سیاسی جماعتیں اسلام کے سلسلہ میں زیادہ مخلص، وفادار اور سنجیدہ نہ تھیں بلکہ انھوں نے ایک عوامی مطالبہ کو اپنے منشور میں شامل کرکے انتخابی سیاست میں فتحیاب ہونا چاہا تھا اور اس طرح مذہبی استحصال کرکے اقتدار تک رسائی حاصل کرنا ان کا نصب العین تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں پارلیمانی انتخاب ہوا تو یہ ساری پارٹیاں ناکام و نامراد ہوئیں اور عوامی تائید و حمایت سے محروم ہونے کی وجہ سے صفحۂ سیاست سے مٹ گئیں۔ وہ پارٹیاں حسب ذیل تھیں:

۱۔ Party of National Development

۲۔ Party of Social Justice,

۳۔ Cultivator Peasant Party

۴۔ Party of Purification-Protection.

۵۔ Party of Islamic Protection

۶۔ Kurdish Conservative Party.

ڈیموکریٹ پارٹی (DP) جس نے حکمراں جماعت کو شکست دے کر حکومت تشکیل دی تھی، مذہبی آزادی کی علمبردار ہونے کے ساتھ متعدد بنیادی مسائل سے بھی دلچسپی لے رہی تھی خاص طور سے کسانوں کے مسائل پر بھرپور توجہ دینے کا اس نے وعدہ کیا تھا اس سے پہلے ریپبلکن پیپلز پارٹی کا رویہ کسانوں اور عوام کے ساتھ بے نیازی، تجاہل اور اعراض کا تھا۔ آرنلڈ لیڈرر نے اس صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تنظیمات کے دور کے بعد مغرب نے طبقہ اشرافیہ کی زندگی اور سماجی تعلقات و روابط پر قابل لحاظ اثرات مرتب کیے مگر مقامی معززین اور نواحی کے کسانوں کی تہذیب و ثقافت سے مغرب کا کوئی تعامل نہ ہوسکا۔ گرچہ مذہب کے عوامی اور سرکاری تصورات کے درمیان فرق مرکز اور نواحی کے درمیان ثقافتی تفریق کا ایک عامل رہا ہے تاہم اسلام کی عوامی مقبولیت نے بھی دونوں کے درمیان رشتہ و ارتباط قائم کیا ہے۔ یہ ارتباط اس وقت ختم ہوگیا جب سیکولر رجحان سے غیر مطمئن مذہبی مقتدرین نے مرکز پر سخت تنقیدیں کیں اور ان عوام کے روایتی کلچر کے احیاء کی تائید و تصدیق کی جن کے غیر متشدد اسلامی عقائد و اعمال کی وہ مخالفت کرچکے تھے۔ مرکز اور نواح کے درمیان اس نئی تہذیبی تفریق و تقسیم نے راسخ الاعتقاد اسلام کو نواحی تہذیب کی حمایت میں کھڑا کر دیا۔"

۱۹۵۰ء کی سیاست کے تعلق سے یہی مصنف آخر میں نتیجہ نکالتا ہے کہ:۔

"گرچہ مرکزی سطح پر ڈیموکریٹک پارٹی کے بہت سے رہنما بھی CHP کے لیڈروں کی طرح بیوروکریٹ طبقہ ہی کا حصہ سمجھے جاتے تھے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں ڈیموکریٹ پارٹی کی شناخت نواحی آبادی کی تہذیب و ثقافت کے ساتھ خاص ہوگئی۔ ترکی سیاست میں ڈیموکریٹ پارٹی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ اس نے دیہاتیوں اور نواحی کی آبادی والوں کو اپنی پارٹی میں شامل کیا۔ اسی وجہ سے CHP کے بعض رہنماؤں نے ڈیموکریٹک پارٹی کے ممبروں کو اُجڈ اور گنوار کا خطاب دیا۔ ڈیموکریٹ پارٹی کے رہنماؤں نے اسے پارٹی کے عوامی کردار کا ٹھوس ثبوت تصور کیا اور مرکز کے قابل نفرت رویہ کے برعکس خود کو کسانوں اور دیہاتیوں کے کاز کا علمبردار باور کرانے کے لیے انھوں نے تمام ممکنہ تدابیر اختیار کیں۔[۵۹]"

اس نئی سیاسی صورت حال میں زراعتی پیداوار سے انکم ٹیکس کے خاتمہ، زراعتی قرضوں کی سہولیات اور زراعت کو فروغ دینے کے لیے سڑکوں کی تعمیر اور ذرائع نقل و حمل کی فراوانی کی تدابیر اختیار کرنے کا اعلان کیا گیا پچھلی حکمراں جماعت نے کسانوں اور دیہاتیوں

کو بندھوا مزدور سمجھ رکھا تھا اور ترکی میں تجدد و تجدید کی مہم کی کامیابی کے لیے انھیں بطور وسیلہ استعمال کیا تھا یہی وجہ تھی کہ DP وزیراعظم عدنان مندریس نے ایک تقریر میں کہا تھا:

"ہم کیا کریں گے؟..... سڑکیں نہیں ہیں؛ ہم انھیں تعمیر کریں گے۔ ہم پانی اور سڑکوں کو گاؤں تک لے جائیں گے۔ زمین زرخیز نہیں ہے؛ ہم اسے زرخیز بنانے کی تدابیر تلاش کریں گے۔ ہم زمینوں سے محروم دیہاتیوں کو زمین فراہم کریں گے۔ رہائش کے لیے گھر نہیں ہیں؛ سیمنٹ فیکٹریاں نہیں ہیں، کھانے کا بحران ہے؟ ہم شکر کے کارخانوں کی تعمیر کا آغاز کریں گے۔ نامناسب لباس ہیں؛ ہم کپڑے کے کارخانوں کی توسیع کریں گے....."[۵۶]

تیس سال کے بعد بھی ترکی سیاست مذہب اور اقتصادیات کے معجون مرکب کے گرد گھومتی رہی۔ لادین عناصر ترکی کو کمالی سیکولرزم کی طرف لوٹانے کی جدوجہد کرتے رہے اور ڈیموکریٹ پارٹی کے لیڈران مذہب کی حمایت لے کر اس کے محدود تصور ہی پر قناعت کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء میں وزیراعظم سلیمان ڈیمیرل نے، جس کی حکومت ۱۹۸۰ء کے فوجی انقلاب کے ذریعہ منقطع ہوگئی تھی، اسی طرح کے مباحثہ کا آغاز کیا تھا کہ اپنے کو مسلمان قرار دینا یا خدا کا حوالہ دینا ہمیشہ سیاسی مقاصد کے لیے مذہب کے استحصال کا ذریعہ بنتا رہا ہے لیکن اس طرح کے اعلانات کو رجعت پسندی نہیں قرار دیا جا سکتا۔[۵۷]

ملّی سلامت پارٹی نے مذہب کے اس روایتی تصور اور لادینیت کاری کے علی الرغم تحریک اسلامی کی نمائندگی کا آغاز کیا۔ اس نے ترکی قوم کی معاشی صورت حال کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ تک پہونچی کہ اس معاشی زبوں حالی کے ذمہ دار مغرب کے سرمایہ دارانہ عیسائی مفادات ہیں۔ مغربی اقوام اپنی مصلحتوں اور سیاسی و معاشی منفعتوں کے پیش نظر اس کی معیشت کو زوال پذیر رکھنا چاہتی ہیں اور اس زوال سے نجات پانے کے لیے ترکی کو (ECC) - (European Economic Community) کے سحر سے نکلنے کی جدوجہد کرنی چاہیے کیونکہ یہ تنظیم 'مغربی مسیحی سرمایہ داری' کی معاشی پالیسی کے ارد گرد گھومتی ہے۔ پارٹی کا موقف یہ تھا کہ ترکی قوم کی صنعت کاری کی مہم خود کفیل اور خود انحصاری کی حامل ہو اور جاپان کی مثال کو سامنے رکھ کر صنعت کاری کی تحریک میں وہ مغرب کا مقابلہ کرے۔ صنعتی میدانوں میں استحکام و استقلال کے حصول کے اس موقف نے عوامی مقبولیت حاصل کی اور ملک کے سنجیدہ اور مخلص طبقے

پارٹی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اوسط درجے کے صنعت کار، تجّار اور معاشی ماہرین نے پروفیسر نجم الدین اربکان کی اس پالیسی کی تائید وحمایت کی جو انجینئرنگ کے پروفیسر ہونے کے علاوہ واٹر پمپ بنانے والی ایک چھوٹی فیکٹری (Sun Motor Industries) کے مالک بھی تھے۔ پارٹی بینک سود اور اس کے ذریعہ تقسیم ہونے والے سودی قرضوں کے بھی خلاف تھی اس کا علانیہ موقف تھا کہ ملکی معیشت کو سود سے پاک ہونا چاہیے۔

ملّی سلامت پارٹی نے ترکی کی مغرب کاری Westernization. کے خلاف سخت نوٹس لیا۔ رقص وسرود کے پروگراموں اور مغربی تھیٹروں کو ترکوں کی حقیقی تہذیب کا دشمن قرار دیا اور اس طرح کے تفریحی کلبوں اور ثقافتی بدعات کو ترکی تہذیب وتمدن کی مغرب کاری کا وسیلہ ٹھہرایا۔ ترکی معاشرہ کو پارٹی نے روبہ زوال قرار دیا کیونکہ بڑوں کا ادب واحترام اس معاشرہ سے رخصت ہو رہا ہے اور اختلاطِ صنفین نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔[۹]

سماجی تغیرات

ملّی سلامت پارٹی کی عوامی مقبولیت اور اس کے روزافزوں اثرات کی ایک وجہ ماہرین عمرانیات نے بدلتے ہوئے سماجی حالات کو قرار دیا۔ ۱۹۶۰ء۔۱۹۷۸ء کے وقفہ میں ترکی کی اوسط فی کس سالانہ پیداوار ۳،۶٪ رہی ہے جس سے ترکی کی اقتصادی ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[۹] ملک کی آبادی ۱۹۲۰ء میں ۱۷ ملین تھی جو ۱۹۸۰ء میں بڑھ کر ۴۶ ملین ہوگئی۔ ۱۹۳۵ء میں ۱۷ فیصدی آبادی شہروں میں رہائش پذیر تھی مگر ۱۹۸۰ء میں شہری آبادی بڑھ کر ۴۶ فیصد ہوگئی اور یہ[۹] تبدیلی دراصل اُن ترقیات کی وجہ سے ممکن ہوئی جو ۱۹۶۰ء کے بعد عمل میں آئیں۔ چنانچہ آٹھویں دہائی میں ترکی کی صورت حال یہ تھی کہ یہ مشرق وسطیٰ میں واحد ملک تھا جس کے دو بڑے شہروں کی بڑھتی ہوئی آبادی کی شرح ۵ فیصد سالانہ تھی۔ دیہاتوں اور نواحی علاقوں سے شہروں اور قصبات کی طرف یہ مہاجرت ملکی سیاست اور سماجی کیفیت میں بنیادی تغیر کی وجہ بنی۔

پانچویں دہائی میں ایک ترک ماہر عمرانیات (Behice Boran) کے تجزیے کے مطابق انقرہ میں اقامت اختیار کرنے والے دیہاتیوں اور کسانوں کا رویہ شہری اصول وضوابط کے تئیں جارحانہ تھا۔ وہ شہر کے ٹریفک اصول وقواعد اور جدید اقدار سے شعوری طور پر بے نیاز نظر آتے تھے مگر رفتہ رفتہ اس رویہ میں تبدیلی آئی اور وہ "مہذب معاشرہ" کی اخلاقیات

سے مانوس ہوتے گئے۔ اس بے نیازی اور شعوری اعراض کی دو وجوہات مندرجہ بالا مصنف نے بتائی ہیں: ایک یہ کہ متعدد افراد یکایک سیاست کی تبدیلی سے قومی شہرت کے حامل قرار پائے اور انھوں نے اس بے نیازی اور لاعلمی کو کسی قسم کا نقص محسوس نہ کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں یورپ کی تقلید، جو کمالی نظریہ کا ماحصل تھی، پر ترکوں نے کڑی تنقیدیں شروع کردیں اور مغرب کی نقالی پر وہ چیں بہ جبیں ہونے لگے[۲۱]

عمرانیاتی تجزیوں کے مطابق ترکی میں شہروں کی طرف نواحی آبادی کی مہاجرت کے علاوہ روایت پسند خاندانوں کی تعلیم و تربیت بھی اسلام پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان میں ممد و معاون ثابت ہوئی ہے مزید برآں آبادیاتی تناظر Demographic Perspective میں بھی اس مسئلہ کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ احمد یوسیکاک نے ایک اور پہلو سے اس احیائی رجحان پر نظر ڈالی ہے۔ اس کے مطابق ڈائریکٹوریٹ جنرل آف ریلجنز افیرز سے منظور شدہ قرآنی کلاسز و نصابات اور تعمیر مساجد کی انجمنوں نے بھی احیائے اسلام میں زبردست کردار ادا کیا ہے۔ ان انجمنوں کی تعداد ۱۹۵۱ء میں ۲۳۷ تھی جبکہ ۱۹۶۷ء میں ان کی تعداد بڑھ کر ۲۵۱۰ ہوگئی اور انھوں نے چھوٹے قصبات اور شہروں کی زندگی پر اچھا خاصا اثر ڈالا[۲۲]

بہرحال ماہرین عمرانیات کے ان تجزیوں سے یہ عیاں ہوجاتا ہے کہ اسباب و عوامل خواہ کچھ ہوں آٹھویں دہائی تک پہونچتے پہونچتے اسلام ترکی معاشرہ میں مستحکم ہوگیا اور قصبات اور چھوٹے شہروں میں خاص طور سے اور بڑے شہروں میں عام طور سے ملی سلامت پارٹی تحریک اسلامی کی توانا اور طاقتور آواز بن گئی۔ اس کے سربراہ پروفیسر نجم الدین اربکان جو خود ایک صوفی مزاج شخص ہیں اور سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں کی کوشش سے ترکی کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کے حوصلہ افزا پہلو ذیل کی مثالوں سے سمجھے جاسکتے ہیں:

۱۔ قبرص کے مسئلہ پر یونان اور ترکی کی جنگ میں پوری فضا پر اسلامی جذبات کا رنگ غالب رہا۔ ایام جنگ میں جہاد اسلامی کا بڑا چرچا رہا اور تین باتیں کھل کر سامنے آگئیں: پہلی حقیقت یہ نمایاں ہوئی کہ اس جنگ میں ترکوں کو فتح اسلام کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ تسلیم کی گئی کہ مسلم عوام اور اسلام پسند حلقوں نے ہی قبرصی ترکوں کو مظالم سے نجات دلائی ہے ۱۹۲۵ء میں قبرص پر انگریزوں کی تولیت قائم ہوئی اور پچاس سال قبرصی ترک یونانی اور قبرصی عیسائیوں اور ان کی دہشت پسندانہ تحریکوں مثلاً یونان کی تحریک اینوسس اور قبرص کی تحریک ایوکا کے

ہاتھوں ظلم وستم سہتے رہے مگر ترکی کا سیکولر نظام اور لادین عناصر طفل تسلیوں کے سوا کوئی اقدام نہ کر سکے تھے۔ اب ملّی سلامت پارٹی کی مجاہدانہ پیش رفت نے قبرصی ترکوں کی مذہبی اور اخلاقی زندگی پر بھی خوش گوار اثر مرتب کیا۔ تیسری بات یہ ابھر کر سامنے آئی کہ قبرص کے اندر برطانوی اور فرانسیسی افواج پر مشتمل جو جنگی اڈہ قائم تھا وہ ختم کر دیا گیا۔

۲۔ یونان اور ترکی کی اس جنگ میں جب امریکہ نے ترکی کو عسکری امداد دینے سے گریز کیا تو مخلوط حکومت میں شامل ہونے کی وجہ سے ملّی سلامت پارٹی نے حکومت کو یہ اعلان کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر امریکہ امداد نہیں دیتا تو اس کا ترکی میں واقع فوجی اڈہ ختم کر دیا جائے گا اور بالفعل اس اڈے کو بند کر دیا یہاں تک کہ امریکہ ترکی کی فوجی امداد بحال کرنے پر مجبور ہوا۔

۳۔ مسلم عوام کی جانب سے یہ دباؤ بڑھا کہ ترکی دستور کی اس دفعہ کو منسوخ کیا جائے جو سیکولرزم کا اعلان کرتی ہے۔ خلافت اسلامیہ کی بحالی کا نعرہ بھی عام اور مقبول ہوا۔ مارچ ۱۹۷۶ء میں ترکی نوجوانوں نے فتح استنبول کی یاد میں یوم شوکت اسلام منایا۔ استنبول کا قدیم نام قسطنطنیہ تھا۔ ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد دوم نے بازنطینی حکومت کا خاتمہ کر کے اس کا نام استنبول رکھا تھا۔

۴۔ ترک نوجوانوں نے فوزی چقماق پاشا کی برسی منائی۔ یہ ترک جرنیل مصطفی کمال پاشا کا ساتھی تھا۔ ترک افواج کی تنظیم نو کا سہرا اسی کے سر ہے۔ اتاترک کے ساتھ مل کر ترکی کو آزاد کروانے اور اس دور میں ترک قوم کے اندر روح جہاد پھونکنے میں اس کا بڑا دخل تھا۔ لوزان کانفرنس (۱۹۲۳ء) کے بعد جب اتاترک نے اپنا راستہ بدل لیا اور قبلہ تبدیل کر لیا تو یہ اس سے الگ ہو گیا۔

۵۔ ۱۳ اپریل ۱۹۷۶ء کو استنبول میں مسلم وزرائے خارجہ کی کانفرنس منعقد ہوئی جس کے انعقاد کا سہرا اسلامی عناصر کے سر ہے۔ ملحدین، کمیونسٹ اور کمالی رہنما اس کانفرنس کے شدید مخالف تھے چنانچہ کانفرنس کے دنوں میں صدر جمہوریہ فہری کورو ترک ملک سے باہر چلا گیا کیونکہ اس کے لیے مسلمان وزراء کا اجتماع ناقابل برداشت تھا۔ کانفرنس کو وزیر اعظم سلیمان دیمرل اور نجم الدین اربکان نے ہر لحاظ سے کامیاب کرنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر اسلام پسند نوجوانوں نے مظاہروں کے ذریعہ اور مسجدوں میں حاضری دے کر اپنی طاقت کا اظہار کیا۔ سلطان احمد کی مسجد میں جب وزراء نماز جمعہ ادا کرنے گئے تو دس ہزار نوجوان مسجد کے اندر موجود تھے وہ جامع ایا صوفیہ کی واگزاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔

۶۔ مدارس اسلامیہ کی تعداد بڑھتی گئی۔ وزارت مذہبی امور نے گرمی کی چھٹیوں میں تمام

مساجد میں قرآن کی کلاسز جاری کرنے کا حکم صادر کیا۔ فوج کے ہیڈ کوارٹر کی طرف سے تمام ملٹری کالجوں اور عسکری تربیتی اداروں کے نام حکمنامہ جاری ہوا کہ ان میں اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی جائے اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ اسلام سپاہی کے حوصلہ کو بلند کرتا ہے[۱۳]

انہی اقدامات اور اسلامی رجحانات کے بڑھتے اثرات اور مسلم عوام کے ابھرتے ہوئے احیائی جذبات کو دیکھ کر سیکولر طبقے گھبرا اٹھے اور فوج نے ۱۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو انقلاب برپا کر کے پارلیمنٹ تحلیل کر دی اور تمام سیاسی جماعتیں بشمول ملی سلامت پارٹی خلاف قانون قرار دے دی گئیں۔

تحریک کا آفاقی نقطۂ نظر

ملی سلامت پارٹی کے پہلے سکریٹری جنرل اور قائد دراصل سلیمان عارف عامر تھے جو ملی نظام پارٹی کے بھی سکریٹری جنرل رہ چکے تھے۔ ابتدا میں پروفیسر اربکان پس پردہ رہ کر کام کرتے تھے کیونکہ نو تشکیل شدہ پارٹی کو سیکولر اور مغرب نواز حلقوں کی نظر بد سے محفوظ رکھنا بھی ضروری تھا اسی لیے آغاز کار میں وہ ملی سلامت پارٹی کو ملی نظام پارٹی کا تسلسل قرار دینے میں کافی محتاط اور متردد رہے۔[۱۴]

ملی گزٹ، جو ملی سلامت پارٹی کا نیم سرکاری ترجمان تھا، سب سے پہلے ۱۲ جنوری ۱۹۷۳ء کو شائع ہوا۔ حسن اکسائی جو پہلے ملی نظام پارٹی سے وابستہ تھے اور اب نو تشکیل شدہ پارٹی کے بھی اہم رکن بن چکے تھے۔ اس اخبار کے مالک اور مدیر مسئول تھے۔ پارٹی کا ایک نعرہ ملی گزٹ کے ٹائیٹل صفحہ پر نمایاں حیثیت میں جگہ پاتا تھا۔ "جب مذہبی نظام یا عدل قائم ہو جائے گا کفر کا خاتمہ ہو جائے گا"۔ پروفیسر اربکان اور دوسرے رہنما اس اخبار کے مستقل لکھنے والے تھے۔ مختلف جلسوں میں اربکان نے اخبار کو "شعور ملی" کا حامی و مؤید قرار دیا تھا جو دراصل پارٹی کا شعار تھا۔[۱۵]

۲۱ جنوری ۱۹۷۳ء کو پارٹی کا اجلاس عام ہوا اور سلیمان عارف عامر دوبارہ صدر منتخب ہو گئے اور ۱۶ مئی ۱۹۷۳ء کو پروفیسر اربکان اور دو اراکین پارلیمنٹ نے عام انتخابات سے پانچ ماہ قبل ملی سلامت پارٹی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کر لی اور پارٹی کی انتخابی مہم میں لگ گئے۔

ملی سلامت پارٹی نے اپنا منشور اور پروگرام شائع کیا تو پہلی دفعہ ہی میں صراحت کر دی

گئی کہ مادی و معاشی ترقی سے پہلے اخلاقی ارتقا، اور مذہبی احیا ناگزیر ہے۔ نجی ملکیت، ترکی معاشرہ کی تاریخ واقدار کا تحفظ اور بنیادی انسانی حقوق اور آزادی کی حفاظت پر خاص طور سے زور دیا گیا نیز صنعت کاری کے فروغ کو اور مختلف صوبوں اور سماجی طبقوں میں عدم مساوات کے خاتمہ کو ترجیحات میں شامل کرنے کی تاکید کی گئی۔ اس منشور کی دفعہ ۱۲ کے مطابق سینٹ کا خاتمہ اور صدارتی طرز حکومت ترکی کے لیے موزوں اور مناسب ہے۔ سیکولرزم کی بھی حمایت کی گئی کیونکہ اس سے آزادی فکر و اظہار رائے کی ضمانت ملتی ہے مگر اس کا مطلب (دفعہ ۱۸ کے مطابق) ہرگز یہ نہ ہوگا کہ اصحاب فکر و مذاہب پر کوئی سختی کی جائے اور ان پر کوئی قدغن لگائی جائے۔

پروگرام کی دفعہ ۱۹ کا اعلان تھا کہ تمام مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا جائے مگر قومی، روحانی اور اخلاقی اقدار کا احترام ہر حال میں ناگزیر ہے۔ مختلف قسم کی تجاویز اور سفارشات بھی پروگرام میں شامل کی گئیں۔ مثال کے طور پر :-

دفعہ ۲۷ کے مطابق فوجداری عدالتوں میں جیوری کا نظام قائم کیا جائے۔
دفعہ ۲۹ کے مطابق صوبائی انتظامی عدالتوں کی تشکیل کی جائے۔
دفعہ ۴۲ کے مطابق اسلامی ممالک سے مستحکم تعلقات پیدا کیے جائیں۔
دفعہ ۶۶ کے مطابق نظام تعلیم کی اساس اخلاقیات، اقدار اور اعتدال پر رکھی جائے۔
دفعہ ۷۲ نے کھل کر مذہبی تعلیم کی حمایت کی
دفعہ ۷۵ نے بھاری ہتھیاروں کی صنعت تشکیل دینے پر زور دیا۔
دفعہ ۷۸ کے مطابق فیملی پلاننگ کو ممنوع قرار دیا جائے اور افزائش آبادی کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

دفعات ۸۸ تا ۱۰۱ میں بھاری صنعتوں کے قیام پر زور دیا گیا، پورے ملک میں صنعت کاری کی مساویانہ تقسیم کی اہمیت بتائی گئی اور فیکٹریوں کی ملکیت کے مسئلہ میں صوبائی آبادی اور ملازمین کی شرکت کو یقینی بنانے کی تجویز رکھی گئی۔

دفعات ۱۲۶ اور ۱۲۷ میں سیاحت کے تئیں قومی اپروچ کو اپنانے کی سفارش کی گئی اور سیاحت کے بھیس میں غیر اخلاقی اور غیر انسانی رجحانات کو درآمد کرنے کی مذمت کی گئی[۱۶]۔

پارٹی کے اس انتخابی منشور اور عوامی پروگرام سے شاید اس کا آفاقی تصور، جہانی نظریہ

اور کا منافی فکر زیادہ واضح نہ ہو سکے۔ البتہ پارٹی کے نیم سرکاری ترجمان ملی گزٹ میں جو بیانات، قراردادیں، تقاریر اور مقالے شائع ہوئے اُن سے مختلف مذہبی و غیر مذہبی مسائل و معاملات پر پارٹی کا ردّعمل اور اس کے رہنماؤں کے افکار و نظریات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ ترکی مذہب و سیاست کے ایک تجزیہ نگار نے[۱۱] ملی گزٹ میں شائع شدہ مواد اور لوازمہ کی کئی کمیاتی فہرستیں شائع کی ہیں جن میں ۱۹۷۳ء (نو تشکیل شدہ پارٹی کا تاسیسی سال) سے ۱۹۸۰ء (جبکہ پارٹی پر پابندی لگ گئی) تک کے تمام بیانات اور خطبات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جدول[۱] میں آٹھ اُن موضوعات کے تحت تمام مسائل اور امور پر پارٹی کا ردّعمل ظاہر کیا گیا ہے جن کی اہمیت و افادیت اور جن پر اصرار و تاکید روز بروز کم ہوتی گئی ہے جبکہ جدول[۲] اُن موضوعات کے تحت تمام مسائل اور امور پر پارٹی کا ردّعمل ظاہر کیا گیا ہے جن کی اہمیت پارٹی کے نزدیک دو چند ہوتی گئی ہے۔ جدول (۳) خارجہ پالیسی کے اُن مسائل سے بحث کرتا ہے جن پر پروفیسر اربکان کے ردّعمل کا تناسب گھٹتا بڑھتا رہا ہے۔ ان تینوں جدولوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۸۰ء تک پہونچتے پہونچتے قائدِ تحریک نے مذہبی مسائل سے اوپر اٹھ کر عوام کی حقیقی ضروریات اور روزمرّہ کے مسائل کے تجزیہ پر اپنی قوتوں کو مرتکز کر دیا تھا اور اُن سماجی، سیاسی اور اقتصادی امور کو ملّی اور اسلامی رُخ دینا شروع کر دیا تھا جن سے ترکی قوم دوچار تھی۔ صنعت کاری اور معاشرتی پالیسی کے دو درجات کا مذہب سے براہِ راست تعلق نہ تھا جبکہ مذہب، اخلاق، اخلاقی ارتقا، روحانی عقائد اور سیکولرزم کے درجات براہِ راست مذہب سے متعلق تھے اور حریات، حقوق انسانی اور جمہوریت، ثقافتی تاریخی اور تہذیبی مسائل اور تعلیم کے درجات بالواسطہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔

جدول نمبر ۱

وہ موضوعات جن کی اہمیت پروفیسر اربکان کی تقریروں میں کم ہوتی گئی۔

	موضوعات کی درجہ بندی	۱۹۷۳ء کی تقریروں کی تعداد	۱۹۸۰ء کی تقریروں کی تعداد
۱۔	صنعت کاری	۳۰۸	۲۷
۲۔	مذہب	۱۱۲	۱۹
۳۔	سماجی پالیسی	۱۰۳	۴۴

۴۔	حرّیات، حقوق انسانی اور جمہوریت	۶۱	۹
۵۔	تاریخی، ثقافتی اور قومی مسائل	۴۹	۱۷
۶۔	تعلیم	۴۸	۱۳
۷۔	اخلاقی ارتقاء، اخلاق اور روحانی عقائد	۴۵	۹
۸۔	سیکولرزم	۲۷	۰

جدول نمبر ۲

وہ موضوعات جن کی اہمیت پروفیسر ارکان کے نزدیک بڑھتی گئی

	موضوعات کی درجہ بندی	سنہ ۱۹۷۳ء کی تقریروں کی تعداد	سنہ ۱۹۸۰ء کی تقریروں کی تعداد
۱۔	خارجہ پالیسی	۱۸	۲۷۴
۲۔	معاشیات عمومی	۶۱	۱۳۲
۳۔	دہشت گردی	۲۳	۱۱۴
۴۔	مہنگا اور اعلیٰ معیار زندگی	۱۴	۱۰۹
۵۔	صہیونیت اور سامی نسل کی مخالفت کے خلاف	۰	۸۷
۶۔	مغربیت، مغربی تہذیب، ثقافتی بیگانگی	۸	۸۶
۷۔	انتظام ملکی اور عملہ	۱۴	۲۱

جدول نمبر ۳

امور خارجہ کے موضوعات

	موضوعات کی درجہ بندی	سنہ ۱۹۷۳ء کی تقریروں کی تعداد	سنہ ۱۹۸۰ء کی تقریروں کی تعداد
۱۔	عام خارجہ پالیسی	۰	۲۵
۲۔	قبرص کا مسئلہ	۰	۴
۳۔	مشترکہ منڈی	۹۵	۸
۴۔	مسلم ممالک سے روابط	۵	۶۳

ان جداول کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۷۳ءمیں پروفیسر نجم الدین اربکان کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ ترکی میں صنعت کاری کو فروغ دینا تھا۔ ملک کے اس اہم قومی اقتصادی مسئلہ پر تاکید واصرار کے ساتھ توجہ مبذول کرنے سے پارٹی کی مقبولیت میں اضافہ بھی ہوا اور مذہبی عناصر سے منسوب رہبانی تصور کی نفی بھی ہوئی۔ اس سے یہ خیال بھی غلط نکلا کہ مذہب ترقی اور پیش رفت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ ۱۹۸۰ءمیں اس صورت حال کے برعکس ترکی معیشت کا اہم ترین مسئلہ مہنگائی اور اشیاء استعمال کی قیمتوں میں کافی اضافہ تھا۔ اسی لیے پروفیسر اربکان نے آٹھویں دہائی میں سب سے زیادہ زور اسی مسئلہ پر دیا۔

مذہب اور سیکولرزم کے موضوعات مِلّی سلامت پارٹی کے لیے سب سے زیادہ پرکشش رہے۔ ۱۹۷۳ءکی ایک تقریر میں پروفیسر اربکان نے اپنے اسلامی نقطۂ نظر کا اظہار اس طرح کیا تھا:

> " صداقت اور حقانیت کا تنہا ماخذ اسلام کے پاس ہے ...مطالعات بتلاتے ہیں کہ موجودہ علوم وفنون کا ۶۰—۷۰ فی صد مسلمانوں کا عطیہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج جن علوم کو مغربی علوم کا نام دیا جارہا ہے، طبعیات، کیمیا، ریاضی، فلکیات طب جدید وقدیم، جغرافیہ اور دوسرے تمام علوم، ان سب کی بنیاد مسلمانوں نے ڈالی ہے۔ وہ لوگ (یعنی مغرب کے افراد) جو ہم پر حقارت کی نظر ڈالتے ہیں اور ہمیں ذلیل سمجھتے ہیں اُنھوں نے شماریات کا پورا علم مسلمانوں سے سیکھا ہے۔ آج ہم یوروپ میں صفائی ستھرائی کا جو ماحول دیکھ رہے ہیں وہ بھی مسلمانوں سے آیا ہے۔ اس لیے ایک یوروپی فرد کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ ہم پر ذلت کی نگاہ ڈالے اور ہمیں کمتر سمجھے.... انسانوں کے بارے میں بنیادی علم انبیاء کا مرہون ہے.... تمام موجودہ علوم کی اساسیات قرآن میں موجود ہیں۔ آج ہم جس دور میں زندگی گزار رہے ہیں اسے قرآن سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم خلائی دور میں سانس لے رہے ہیں۔ قرآن میں خلا سے متعلق متعدد آیات وارد ہوئی ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کا اشارہ تھا کہ آنے والا دور خلائی ہوگا.... سائنس موجودہ سائنس کے موجد مسلمان ہی تھے۔ آج مغرب میں جو کچھ ہے اس پر کسی کو ڈینگنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہمارے لیے اور مغربی اقوام کے لیے ایک ہی راہِ نجات ہے کہ ہم سب مسلمان بن جائیں"۔[۱۸]

۱۹۷۳ء میں ملّی سلامت پارٹی اور اس کے رہنماؤں نے مذہب اور مذہبی اقدار پر کافی زور دیا مگر اسلامی ریاست کی تشکیل کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا اس وقت غالبًا پارٹی کا سیاسی استحکام اور اندرونی تنظیم ہی پیش نظر تھی مگر جیسے جیسے پارٹی اپنے پیروں پر کھڑی ہوتی گئی اور اندرونی صفوں میں اتحاد اور تنظیم آتی گئی اسلامی ریاست، اس کے اوصاف و خصائص اور اساسیات پر کھلے لفظوں میں گفتگو ہونے لگی۔[۱۹]

خود پروفیسر اربکان نے پاکستان میں صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے اصلاحی اقدامات کو سراہا۔[۲۰] ایران کے اسلامی انقلاب کا تجزیہ کیا گیا اور ترکی، پاکستان اور ایران میں برپا اسلامی تحریکات کے درمیان موازنہ کرکے ان کو باہم قریب قرار دیا گیا۔[۲۱] احمد ناظم تستان نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ سلطنت عثمانیہ نے اسلام ہی کی برکت سے کئی برّاعظموں پر حکومت کی اس لیے:

> "ترکی کے لیے اسلام ایران اور پاکستان سے کہیں زیادہ قابل قبول ہے۔ ہمارا ملک دوسرے ملکوں سے زیادہ اسلامی حکمرانی کا حق دار ہے ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ جلد وہ دن واپس لائے"۔[۲۲]

ایک دوسرے رہنما احمد سغلام نے کہا کہ "آج پوری دنیا میں جو تحریک زوروں پر ہے اس کا ایک ہی مقصد ہے: قانونِ اسلام کو نافذ کیا جائے اور جہاد اسلامی کے حکم کو روبعمل لایا جائے ..... اربکان، ضیاء الحق، خمینی، گلبدین حکمت یار اور برہان الدین ربّانی جیسے رہنما اسی نصب العین کے لیے برسرِپیکار ہیں"۔[۲۳] بسا اوقات واضح لفظوں میں بھی اسلامی حکومت کی تشکیل پر گفتگو کی گئی۔

> "اگر ہم اِس ملک میں اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے آرزومند ہیں تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلام یہاں نافذ نہیں ہے جب اسلام کی حکومت تمام اداروں پر قائم ہو جائے گی اور قصرِ صدارت سے لے کر کوڑا کرکٹ کی تطہیر تک ہر جگہ اسلام ہی کا انعکاس ہوگا تبھی ہم یہ کہہ سکیں گے کہ یہاں اسلام موجود ہے"۔[۲۴]

ملّی سلامت پارٹی کے رہنماؤں نے اب بین الاقوامی اسلامی مسائل پر بھی گفتگو کا آغاز کر دیا۔ انھوں نے مسلم ممالک کے متحدہ بلاک کی تجویز رکھی اور Organization of the United Nations of Islam کا نعرہ دیا، اسلامی مشترک منڈی، عالمی اسلامی ثقافت، اسلامی بھاری

صنعت بین الاقوامی اسلامی بیت المال کے قیام کی تجاویز پر بھی بحثیں ہوئیں۔ اسلامی مفکرین نے مطالبہ کیا کہ تمام ترکی اداروں کی تنظیم نو قرآن کی اساس پر ہو۔ طب، تجارت، تعلیم، فوج، صنعت وزاعت اور وزارت مذہبی امور کی اسلام کاری کی جائے اور اس طرح زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی شریعت کو نافذ کیا جائے۔[۲۵]

پارٹی کے رہنماؤں کی یہ فکر اور طریقۂ فکر مصطفیٰ کمال کے تصور سیکولرزم کے خلاف تھی۔ اس کا مقصد ملک کو لادینیت اور مغربیت کی راہ پر لگانا تھا اور اس کے متعین کردہ اصول سیکولرزم کا مطلب مذہبی معاملات میں حکومت کی عدم دلچسپی اور تمام مذاہب سے یکساں معاملہ رکھنا تھا۔ اسی لیے قانون اور دستور کے دائرہ میں رہ کر ایک طرف حکومت سے سیکولرزم کی صحیح تنفیذ کا مطالبہ پارٹی کے رہنماؤں نے کیا[۲۶] تاکہ حریت فکر ونظر کا احترام کیا جائے،

مذہبی طبقوں کی مخالفت اور ان سے منافرت کا سلسلہ بند ہو کیونکہ رہنماؤں کے مطابق "اس وقت اہل ایمان کے حقوق پر قدغن عائد ہے اور اس ناانصافی کا خاتمہ ناگزیر ہے"[۲۷] دوسری طرف عوامی مقبولیت کے حصول کے بعد اور پارٹی کی اندرونی تنظیم کے ساتھ ۱۹۸۰ء میں سیکولرزم کے خلافِ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ اب کھلے لفظوں میں اس کی تردید کی جانے لگی۔

> "جدید ترکی کا سیاسی ہیولیٰ اسلام کے سیاسی اصولوں سے متصادم ہے۔ اسلام کا مطالبہ ہے کہ مذہب کے زیر قیادت سیاسی ومذہبی مسائل وامور کا اتحاد و انضمام ہو۔ اس سیاق میں سیکولرزم اور سیکولر نظام اسلام، شریعت اور مذہب کے خلاف ہیں۔ خاص طور سے ترکی میں اس کی تنفیذ اس لیے کی گئی ہے تاکہ لامذہبیت کو تیقّن حاصل ہو"۔[۲۸]

> "وہ لوگ فریب کار اور جھوٹے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیاست اور مذہب دو الگ چیزیں ہیں۔۔۔۔ مسلمان دنیا کے معاملات کو آخرت کے معاملات سے الگ نہیں کر سکتے"۔[۲۹]

> "یہ بالکل واضح ہے کہ فرد قانون سازی کا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر وہ کوئی قانون بناتا ہے یا قانون بنانے کا دعوی کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ اسلامی قانون کا خالق وہی ہے جو آدمی کا خالق ہے۔ خدا نے آدمیوں کو انہی قوانین کی مطابقت میں پیدا کیا ہے۔ انسانی قوانین انسانی فطرت سے ہم آہنگ نہیں

ہوتے..... اسلام ہر دور کے لیے قانون ہے۔ یہ مذہب بھی ہے اور ریاست بھی.... قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا ہے کہ قبرستانوں میں اس کی تلاوت کی جائے یا عبادت گاہوں میں مقفل ہو کر محفوظ ہو جائے۔ قرآن تو حکومت کرنے کے لیے نازل ہوا ہے"[۱۳۰]

اسی طرح متعدد تحریروں اور بیانات میں پارٹی کے نظریہ ساز مفکرین سیکولرزم کے خلاف لکھنے اور بولنے لگے[۱۳۱]۔ جب کہ ترکی معاشرہ جبر و استبداد اور اسلام و انسانی اقدار کا مخالف وہ دور بھی دیکھ چکا ہے جس میں مصطفیٰ کمال اور اس کے لادینی نظریات کے خلاف کوئی کمزور آواز بھی ملک اور وطن سے بغاوت اور غدّاری سمجھی جاتی تھی لیکن تحریک اسلامی کی مسلسل جدوجہد اور قربانی نے حالات کو بدل کر رکھ دیا اور فکر و نظر کے زاویے ایسے درست ہوئے کہ سیکولرزم اور کمالیت اجنبی چیزیں بن کر رہ گئی اور سرعام ان پر تنقید ہونے لگی۔

پروفیسر نجم الدین اربکان بھی واضح طور سے سیکولرزم کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ پاکستان کے دورہ کے موقع پر انھوں نے تمام سیاسی احتیاط اور اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر لادینیت کے خلاف تقریر کی۔ صدر پاکستان جنرل ضیا الحق سے ملاقات کرتے ہوئے انھوں نے زور دیا کہ ایک اسلامی ریاست کی بنیادی شرط یہ ہے کہ پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ "سب سے پہلے اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو مسلمانوں کا مذہب خطرہ میں رہے گا"[۱۳۲]

بنیادی انسانی حقوق، حرّیات اور جمہوریت کے تعلق سے بھی ملّی سلامت پارٹی اور اس کے ہمنواؤں اور رہنماؤں کا موقف اسلامی تعلیمات پر مبنی ہے۔ انھوں نے ایک طرف آزادئ فکر و نظر اور اظہار رائے کی مکمل حمایت کی اور کمیونسٹوں اور بائیں بازو کے عناصر کے لیے بھی آزادی و حریت کی وکالت کی[۱۳۳]۔ لیکن دوسری طرف اس موقف کا بھی کھل کر اظہار کیا کہ ترکی ایک مسلمان ملک ہے اور یہاں اسلام کی بالادستی ہونی چاہیے۔ انھوں نے صراحت کی:

"ہم تشکیل حکومت میں قیادت کر رہے ہیں.... حکومت کی تشکیل اُس طرح ہوگی جس طرح ہمارے بھائیوں کی خواہش ہے۔ اس سلامت پارٹی کا کچھ مفہوم اور اس کا کوئی مقصد ہے۔ ملّی سلامت پارٹی برہنہ اور خلاف وقار پیراہن کی حمایت نہیں کر سکتی۔ نوجوانوں کی تربیت اس لیے نہیں ہوگی کہ وہ کمیونسٹ

اور دہریہ نہیں سینما گھروں میں غیر اخلاقی اور فحش فلموں پر پابندی ہوگی۔ ہر شخص اپنے عقیدہ اور ضمیر کے مطابق بولنے کا حق دار ہوگا۔ البتہ جو لوگ گھروں پر کتابیں پڑھتے ہیں واجب التعزیر نہ ہوں گے۔"[۳۲]

ساتھ ہی اس امر کی صراحت بھی کی کہ سیکولرزم اپنے مخصوص پس منظر، نظام فکر و عمل اور فلسفۂ زندگی کے ساتھ اسلام سے متصادم بھی ہے گرچہ اس کے عام معانی اسلام کی تعلیمات سے نہیں ٹکراتے اور مذاہب کے ساتھ یکساں برتاؤ اور انھیں فکر و عمل کی آزادی کا تصور قرآن میں بھی موجود ہے۔

"ہم نجات و فلاح کے تذکروں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک اسلام کا طریقۂ نجات و فلاح ہے دوسرا کافرانہ و مشرکانہ طریقہ ہے جو نجات کا ضامن نہیں بن سکتا۔ آخر الذکر کا انحصار وحی الٰہی پر نہیں ہے اور انسانی طاقتوں پر اس کی بنیاد ہے جو خود باہم متضاد ہیں جیسے اشتراکیت، سرمایہ داری، اشتمالیت اور جمہوریت۔"[۳۳]

"خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنی مرضی اور فیصلہ کے مطابق نہیں بلکہ کتاب مقدس کے مطابق حکومت کریں۔ اگر ووٹوں کے ذریعہ انسانوں پر حکومت جائز ہوتی تو وحی الٰہی کی ضرورت نہ تھی۔ جن معاشروں میں عوام کے ووٹوں سے معاملات طے پاتے ہیں وہاں اسلام زوال پذیر ہو جاتا ہے۔"[۳۴]

"جمہوریت ایک مغربی سازش ہے مغربی اور عیسائی طریقوں کے مطابق جاہل عوام پر حکومت کرنے کی۔ یہ دراصل اسلام پر عیسائیت کی فتح ہے۔ صرف الہامی قوانین ہی نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ انسان قابل تنفیذ قوانین نہیں بنا سکتا۔"[۳۵]

"یہودیوں کے ذریعہ یروشلم کو دارالسلطنت بنانے کا اعلان دراصل فطری نتیجہ ہے عالم اسلام کے بہت پہلے سے شکستہ و ریختہ ہونے کا، فراموش کردہ مسلم اخوت کا، قومی و نسلی رجحانات کی اشتعال انگیزی کا، مغربی پالیسیوں کا، تسلیم شدہ سیکولر، لادین اور جمہوری اصولوں کا۔ ان سارے اسباب نے مل کر یروشلم کو دارالسلطنت بنایا ہے۔"[۳۶]

ان اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۸۰ء میں پارٹی کے رہنما اور کارکنان کھل کر سیکولرزم

کے مخالف ہو گئے تھے اور یہ کہ ترکی کی ساری خرابیوں کی وجہ معاشرہ کا لادینی رخ تھا۔

پارٹی کے رہنماؤں نے اسلام کے شاندار ماضی اور سلطنت عثمانیہ کی میراث کا حوالہ دیا۔ مثال کے طور پر ان کے مقررین کا دعویٰ تھا کہ ملّی نظام پارٹی اور ملّی سلامت پارٹی کے رہنماؤں میں ترکی کی سرکردہ شخصیات شامل ہیں جو اسلام سے عقیدت و محبت رکھتی ہیں، پارٹی ترکی اسلامی روایت کا تسلسل اور اس کی ضمانت ہے، پارٹی اُسی عظیم الشان میراث کا احیا کرے گی جو چھ سو سال تک سلطنت عثمانیہ کی شکل میں جلوہ گر رہی، سیکولرزم اور مغربیت ہی عثمانی شہنشاہیت کے زوال کے ذمہ دار ہیں نیز یہ کہ ملّی سلامت پارٹی کے پاس شاندار ماضی کی تشکیل نو کا اسلامی فارمولہ موجود ہے۔ پروفیسر اربکان نے اس اسلامی فارمولہ کا اعلان معاشی سرکاری پلان کی تردید کرتے ہوئے بھی کیا۔[۳۹] اُن کا اصرار و اعلان تھا کہ قومی تاریخی اقدار کی تدریس بچوں اور نوجوانوں کے لیے ناگزیر ہے۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے محبت و شفقت کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ "ملّی سلامت پارٹی جب اقتدار میں آئے گی تو ہپّی شکل و صورت کے جوانوں کے بال کاٹ دے گی، وہ نوجوان خواتین اور لڑکیوں کو باوقار اور عفیف بننے کی تربیت دے گی اور مذہبی تعلیم دہشت کے تریاق کے طور پر دی جائے گی۔"[۴۰]

خارجہ پالیسی پر پروفیسر اربکان کا زور اور ان کی توجہ مرتکز ہوتی گئی۔ مشترکہ منڈی، مسئلہ قبرص اور اسلامی ممالک کے ساتھ ترکی کے تعلقات پر موصوف اور ان کے ساتھیوں نے سب سے زیادہ بیانات دئے کیونکہ پروفیسر اربکان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ حکومت جدوجہد کر رہی ہے کہ ترکی کو یوروپ کی مشترکہ منڈی کا ممبر بنا دیا جائے گو یوروپی ممالک خود ترکی کو یہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں مگر حکومت اور مغرب زدہ طبقے کے لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ ترکی کو یوروپ کی جھولی میں ڈال دیا جائے حکومت دن رات اشتراک کے فضائل بیان کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اس اشتراک کا مطلب یہ ہوگا کہ ترکی کی پوری اقتصادی زندگی یوروپ کے تاجروں اور صنعت کاروں کے چنگل میں ہوگی، سیاسی اور عسکری میدانوں میں یکسانیت اختیار کرنی پڑے گی بلکہ خارجہ پالیسی میں بھی یوروپ کی ہم نوائی لازمی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ ترکی میں اشتراک سے کچھ مادی فائدہ حاصل کر لے مگر ترکی کا اسلامی تشخص سخت مجروح ہوگا۔ مسلمان بلغاریہ جیسے مسئلہ میں پھنسے رہیں گے اور یہودیوں اور صلیبی تنظیموں کی بر آئے گی۔[۴۱]

پروفیسر اربکان ترکی خارجہ پالیسی پر مغرب کے اثراتِ بد کے سخت مخالف تھے۔ وہ

مغرب سے ترکی کی ہم رشتگی کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت خطرہ تصور کرتے تھے اور اسے عالم اسلام سے مربوط کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ ان کے خیال میں ترکی استحصال اور کلیت پسندی میں مغربی راہ پر گامزن تھا۔ وہ کہتے ہیں:

"ایک آئیڈیالوجی کی حیثیت سے کمیونزم صیہونیت کا ایک بازو ہے تو سرمایہ داری اس کا دوسرا بازو ہے۔ دراصل صیہونیت پوری دنیا پر حکومت کرنے کی آرزو رکھتی ہے اور ان دونوں بازوؤں کا استحصال اپنی مرضی کے مطابق کرتی ہے .... یالٹا کانفرنس کا مقصد صیہونیت کے نام پر دنیا کو منقسم کرنا تھا جب سے کچھ نئی طاقتوں کا ظہور ہوا ہے وہ اس تقسیم سے ہم آہنگ ہونا چاہتی ہے تاہم پچھلے دس سالوں میں عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ نے صورت حال یکسر بدل کر رکھ دی ہے۔ اب کیا ہوگا؟ دیتانسٹ کا فلسفہ ظہور پذیر ہوا اور ہیلسنکی میں مشرق و مغرب کے درمیان نئی مفاہمت اور اپروچ پر گفتگو ہوئی۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اسلامی دنیا میں احیا کی لہر اٹھی ہے اب ہمیں آپس میں ٹکرانے کی پالیسی بند کرنا ہوگی اور اس نئے مسئلہ کا کوئی حل تلاش کرنا ہوگا۔"[۵۲]

پروفیسر اربکان نے سالٹ کی دوسری کانفرنس کو عالم اسلام کے خلاف سرمایہ داری اور کمیونزم کی ایک متحدہ سازش قرار دیا۔ قبرص کے مسئلہ پر سب سے زیادہ گرم بازاری اور معرکہ آرائی رہی۔ متحدہ قبرص میں ترکی مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جاتے تھے اور ان کی فریاد رسی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بلند اجاوید کے ساتھ جب ملی سلامت پارٹی نے مخلوط حکومت بنائی اور پروفیسر اربکان نائب وزیر اعظم بنے تو انھوں نے یونانیوں کے خلاف ترکی مسلمانوں کی امداد و حمایت میں ترکی فوجیں وہاں اتار دیں۔ جنگ کے بعد قبرص دو حصوں میں منقسم ہو گیا اور ترکی قبرص کے صدر رؤف دنکتاش بنے۔ اس موقع پر اربکان نے ریپبلکن پارٹی اور جسٹس پارٹی کی مذمت کی جنھوں نے یونانی مطالبات کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور خدا کا شکر ادا کیا جس نے اس مسئلہ کو سلجھا دیا تھا۔[۵۳] قبرص کے مسئلہ میں اربکان فاتح بن کر ابھرے۔

اسلامی ممالک کے ساتھ رابطہ و تعلق کی استواری کے مسئلہ پر پروفیسر اربکان نے سب سے زیادہ بیانات دیئے۔ دنیا بھر کی اسلامی احیائی تحریکات سے تعلق کو مستحکم کیا گیا۔ اسلامی

نشأۃ ثانیہ کے لیے ہونے والی عالمی جدوجہد سے واقفیت اور اس کی تائید وحمایت پر رفقاء وکارکنان نے لب کشائی کی اور مغرب سے رابطہ استوار کرنے کے بجائے اسلامی دنیا سے ارتباط پر زور دیا۔

مغربی فکر وثقافت، تہذیب وتمدن اور اداروں پر سخت تنقید کی گئی۔ مغربی بلاک کو اربکان نے خصوصی ہدف بنایا اور اپنی بیشتر تقریروں میں اس کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی نمایاں کی۔ مشنری اسکولوں کے نظام ونصاب تعلیم، جوئے خانوں اور قمار وشراب کے اڈوں، فری میسن کی سرگرمیوں، عیسائیت کی اباحیت پسند ثقافت وتہذیب، مخرب اخلاق پروگراموں ، جنسی بے راہ روی اور فحش حرکات کی علمبردار انجمنوں پر تیز وتند حملے کیے گئے اور انھیں ترکی معاشرہ سے ختم کرنے کی مہم چلائی گئی۔ یہاں تک کہا گیا کہ "قدیم یونان کے تمام بڑے نام نہاد مفکرین جنسی بے راہ روی کے شکار تھے"[۲۲] اور یہ کہ:۔

"اہل مغرب خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں، موسیقی سے دل بہلاتے ہیں اور اپنے ایام مقدسہ کا جشن شراب وکباب کے ساتھ مناتے ہیں۔ وہ بدکرداری جنسی آوارگی اور قتل وغارت گری کا ہر جرم کرسکتے ہیں اور ایک مذہبی اعتراف کے ذریعہ معافی کا پروانہ بھی حاصل کرلیتے ہیں۔ عیسائیت کو قبول کیے بغیر اور اسلام کی مخالفت کیے بنا ایک مغربی کی طرح سوچنا اور عمل کرنا محال ہے"۔[۲۳]

"ہم ڈیڑھ صدیوں سے توہمات وخرافات میں، پیراہن اور زیبائش میں، روایات ورسوم میں اور شراب وبدکاری کے اداروں کے قیام میں مغرب کی نقالی کرتے آرہے ہیں۔ ہم نے اپنے اسکولوں اور جامعات کا وہی نصاب ونظام متعین کیا ہے جو مغرب میں رائج ہے۔ ہم نے اپنے دلوں سے خدا کی یاد کھرچ دی ہے۔ عقل نے خدا کی جگہ لے لی ہے۔ ہم نے دستور، قانون اور تعلیم کو سیکولر بنادیا ہے۔ ہم نے شراب وکباب سے تمام بندشیں اٹھالی ہیں۔ لیکن پچھلے پچاس سالوں میں ہم ایک نوبل پرائز بھی حاصل نہ کرسکے۔ اس کے باوجود ہماری قوم یہودی فری میسن سازش کا شکار ہونے کے لیے تیار ہے جو تمام مغربی اقوام کے پس پشت متحرک ہے"۔[۲۴]

سامی مخالف تحریکات اور صیہونیت پر پروفیسر اربکان نے مختلف قسم کے اعتراضات

کیے۔ دنیا کی تمام سازشوں اور تخریب کاریوں میں انھیں ملوث قرار دیا۔ ڈارون، فرائڈ، درخائم کارل مارکس سب کے افکار و نظریات پارٹی رہناؤں کے مطابق انسانی تعقل کو منحرف کرنے کی یہودی سازش کا حصہ تھے۔[۴۷] ترکی کی تمام دہشت پسندانہ سرگرمیوں میں صہیونیت کا کردار رہا ہے۔[۴۸] قومیت کا نظریہ جس نے مسلم ممالک کو حصّوں بخروں میں منقسم کر دیا یہودی سازش کا ایجاد کردہ تھا۔[۴۹] یوروپ کی مشترکہ منڈی ہی نہیں بلکہ اقوام متحدہ کا ادارہ بھی صہیونی سازش کا حصہ ہے۔[۵۰] سرمایہ اور اشتراکیت کی مصنوعی تقسیم دراصل یہودیوں کے عالمی غلبہ کے حقیقی خطرہ پر نقاب ڈالنے کی اسکیم ہے۔[۵۱] مارشل ٹیٹو ایک یہودی تھا جس نے صہیونیت کے لیے کام کیا یہاں تک کہ جاگیرداری بھی یہودی سازش ہی کی اسکیم تھی۔ چونکہ ہر غلط اور باطل منصوبہ میں یہودی شامل ہوتے ہیں اس لیے لازماً انھوں نے ہی سلطان محمد الفاتح کو زہر دیا ہوگا۔ نسل پرستی بھی ایک یہودی سازش تھی اور بیچارہ ہٹلر ظالم و بے رحم یہودیوں کا محض ایک مہرہ تھا۔[۵۲] یہودی انسانیت کے بدترین دشمن ہیں جس کی صراحت قرآن پاک نے کر دی ہے۔[۵۳]

قومی و عالمی مسائل پر ملّی سلامت پارٹی اور اس کے حکمرانوں نے کوئی مصالحت و منافقت نہ کی۔ انھوں نے ہر طرح کے دباؤ اور ترغیب و ترہیب کے ہر ہتھکنڈے سے بے نیاز ہو کر اسلامی موقف کو اختیار کیا۔ شرعی نقطۂ نظر کی وکالت و مدافعت کی اور ترک عوام کو ان کے شاندار ورثہ اور تابناک ماضی سے قریب کرنے کی جدوجہد کی جس میں انھیں کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور عوام کا اطمینان و اعتماد پا کر انھوں نے تحریک اسلامی کو اقدام و عمل کے مرحلہ میں داخل کیا اور یہی بات سیکولر عناصر اور کمالی فوج کو برداشت نہ ہو سکی اور ان سب نے مل کر ملک میں عسکری حکومت از سر نو قائم کر دی۔

حواشی و تعلیقات

[1] Serf Mardin, Religion and Politics in Modern Turkey, in: Pircatori J.P., (ed.) Islam in the Political Process, Cambridge University Press, 1983, Reprinted in 1984 p. 147.

[2] Binnaz Sayari (Toprak) Quoted in Ibid, p. 147

۳ ان تمام دفعات وضوابط کی تفصیل اوران کے سیاسی وسماجی مضرات کے لیے دیکھئے۔

Binnaz Sayari (Toprak), Islam and Political Development in Turkey, E.J. Brill, Leiden, 1981.

۴ Arnold Leder, Party Competition in Rural Turkey: Agent of change or Defender of Traditional Rule? Middle Eastern Studies. Vol. 15, (1979) pp.82-83.

۵ Ibid, p. 84

۶ Ibid, p. 86

۷ Serif Mardin, op.cit., p.151

۸ Ibid, p. 152

۹ William Hale, The Political and Economic Development of Modern Turkey, Croom Helm, London, 1981, p. 129

۱۰ Frederick Shorter and Belin Tekce, The Demographic Determinants of Urbanization in Turkey, 1934-1970, in Peter Benedict, Erol Tumertakin and Fatma Mansur, (Eds.), Turkey: Geographical and Social Perspectives, E.J. Brill, Leiden, 1974, pp. 281ff.

۱۱ Serif Mardin, op. cit, p. 154

۱۲ Quoted in Serif Mardin, op. Cit, p. 154

۱۳ تفصیل کے لیے دیکھئے خلیل احمد الحامدی، تحریک اسلامی کے عالمی اثرات، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۴ء ص ۶۵ - ۷۰

۱۴ دیکھئے پروفیسر اربکان کا انٹرویو، ملی گزٹ، ۱۲ اگست ۱۹۷۳ء۔

۱۵؎ Turker Alkan, The National Salvation Party in Turkey, in Metin Heper & Raphael Israeli, Islam and Politics in the Modern Middle East, Croom Helm, sydney, 1984, p. 83.

۱۶؎ نفس مصدر، ص ۸۳ ـ ۸۴

۱۷؎ نفس مصدر، ص ۸۶ ـ ۸۸ فاضل مضمون نگار نے ان تقریروں اور بیانات کے جداول مرتب کرکے یہ تاثر دیا ہے کہ ملّی سلامت پارٹی اور اس کے رہنما پروفیسر ارکان کے نزدیک سیاسی و معاشرتی اور اقتصادی و عالمی مسائل کے مقابلہ میں مذہب اور احیائے مذہب کی اہمیت کم ہوتی گئی اور وہ بتدریج ایک جمہوری سیاسی جماعت کے قلب میں ڈھلتی جارہی ہے جس کا طرہ امتیاز ایک دن سیکولرزم ہی قرار پائے گا۔ چنانچہ تجزیہ نگار آخر میں ذاتی مزعومات و موہومات پر منحصر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ پارٹی عملی سیکولرزم کی عامل و قائل ہوگی۔ مذہبی مسائل اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور دوسرے ہاتھ میں روزمرّہ کی سیکولر سیاسی زندگی اور اس کی عملی دشواریوں سے ہم آہنگی ہوگی اور یہ کہ ایرانی طرز کے کسی مغرب مخالف اسلامی انقلاب کا یہاں اندیشہ مفقود ہے۔ مضمون نگار نے ترکی اور ایران کے جغرافیائی، سماجی اور تہذیبی و تاریخی حالات کا تقابل بھی کیا ہے اور ان دونوں ملکوں اور ان کے عوام کے اندر پائے جانے والے اختلاف کا بھی تجزیہ کیا ہے۔

۱۸؎ ملی گزٹ، انقرہ ۱۹،۱۰۰ ـ ۲۵ رجون ۱۹۷۳ء۔

۱۹؎ احمد اغز صدر ملّی سلامت پارٹی یوتھ آرگنائزیشن کی تقریر، ملی گزٹ، ۱رجنوری ۱۹۸۰ء۔

۲۰؎ ملّی گزٹ، ۴رجنوری ۱۹۸۰ء

۲۱؎ عبدالرحمٰن دیلیپک، ملّی گزٹ، ۷راپریل ۱۹۸۰ء

۲۲؎ ملی گزٹ، ۷رمئی ۱۹۸۰ء۔

۲۳؎ ملّی گزٹ، ۱۱رجولائی ۱۹۸۰ء۔

۲۴؎ ملّی گزٹ ۲۳، رجولائی ۱۹۸۰ء۔

۲۵؎ فؤاد بیرک، ملّی گزٹ، ۳۱راگست، یکم ستمبر ۱۹۸۰ء

۲۶؎ ۱۹۷۳ء میں سیاسی حالات کے دباؤ میں ملّی سلامت پارٹی کے رہنما سیکولرزم کے خلاف کوئی بیان نہ دے سکتے تھے اسی لیے اشارہ و کنایہ میں انھوں نے گفتگو کی بلکہ سیکولرزم کی حمایت بھی بسا اوقات کی تاکہ کمیونسٹوں اور لادین طبقوں کی طرح مذہبی حلقوں کو بھی فکر و نظر اور اظہار رائے کی حریت حاصل ہوسکے

چنانچہ پارٹی کے ایک رہنما نے ۱۹۷۳ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں حساس موضوعات پر متردد و مضطرب ہوں اور اُن پر اظہار خیال کرنا میرے لیے مشکلات کا باعث ہے۔ ہمیں اپنے جذبات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے اور ان موضوعات سے تعرض کرنا ہمارے لیے نامناسب ہے۔ ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمیں بارودی سرنگوں پر کس طرح قدم رکھنا ہے۔" ملی گزٹ ۳۰/اگست ۱۹۷۳ء۔

۲۷ء ملی گزٹ، ۲۲/جنوری، ۲۲/اگست ۱۹۷۳ء۔

۲۸ء ملی گزٹ، ۸/مارچ ۱۹۸۰ء۔

۲۹ء ملی گزٹ، ۱۶/مارچ ۱۹۸۰ء

۳۰ء ملی گزٹ، ۶/اپریل ۱۹۸۰ء۔

۳۱ء ملی گزٹ، ۲۹/مئی ۱۹۸۰ء، ۵/جولائی ۱۹۸۰ء ۱۱/جولائی ۱۹۸۰ء، ۴/اگست ۱۹۸۰ء، نیز ۲۸/اگست ۱۹۸۰ء کے شمارے دیکھئے۔

۳۲ء ملی گزٹ، ۵/جنوری ۱۹۸۰ء۔

۳۳ء ملی گزٹ، ۱۴/مارچ ۱۹۷۳ء۔

۳۴ء ملی گزٹ، ۵/دسمبر ۱۹۷۳ء

۳۵ء ملی گزٹ، ۹/مارچ ۱۹۸۰ء

۳۶ء ملی گزٹ، ۱۹/مارچ ۱۹۸۰ء

۳۷ء ملی گزٹ، ۶/اپریل ۱۹۸۰ء

۳۸ء ملی گزٹ، ۳۱/جولائی ۱۹۸۰ء

۳۹ء ملی گزٹ کے مندرجہ ذیل شمارہ دیکھئے، ۹/مارچ ۱۹۷۳ء، ۲۹/جون، ۲۰/جولائی ۱۹۷۳ء، یکم جون ۱۹۸۰ء

۴۰ء ملی گزٹ، ۲۷/اگست، ۸/ستمبر ۱۹۷۳ء، ۱۲/اگست ۱۹۸۰ء

۴۱ء مولانا خلیل احمد الحامدی، تحریکی سفر کی داستان، ادارہ معارف اسلامی، لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۱۴۰

۴۲ء ملی گزٹ، ۲۸/جنوری، ۲۹/جنوری ۱۹۸۰ء۔

۴۳ء ملی گزٹ، ۳۰/جنوری ۱۹۸۰ء۔

۴۴ء ملی گزٹ، ۱۳/مارچ ۱۹۷۳ء نیز ۲۲/مارچ ۱۹۷۳ء۔

۴۵ء ملی گزٹ، ۲۳/مارچ ۱۹۷۳ء نیز دیکھئے ارکان، ملی گزٹ ۲۹/اپریل ۱۹۷۳ء اور یکم جنوری ۱۹۸۰ء محمد فہری کا بیان، ملی گزٹ۔ ۳۰/اپریل ۱۹۸۰ء، احمد سعلام کا بیان، ملی گزٹ، ۲۲/جولائی ۱۹۸۰ء م

۴۶ے ملی گزٹ، ۱۵ر مارچ ۱۹۷۳ء۔
۴۷ے ملی گزٹ ۵ر اپریل ۱۹۷۳ء
۴۸ے ملی گزٹ، ۱۲ر اگست ۱۹۸۰ء
۴۹ے ملی گزٹ، ۵ر فروری ۱۹۸۰ء
۵۰ے ملی گزٹ، ۱۳ر مئی ۱۹۸۰ء
۵۱ے ملی گزٹ، ۱۲ر جون ۱۹۸۰ء
۵۲ے ملی گزٹ، ۱۶ر اگست ۱۹۸۰ء
۵۳ے ملی گزٹ، ۷ر اگست ۱۹۸۰ء۔ یہ اخبار ترکی زبان میں انقرہ سے شائع ہوتا ہے۔ مقالہ میں اس کے تمام حوالے اور اقتباسات تو رکر ارکان، حوالہ بالا سے ماخوذ ہیں۔

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ اسلام کے نظامِ معاشرت پر مصنف کو عبور حاصل ہے۔ اس میں انھوں نے آزادیٔ نسواں کے مغربی تصور کی زہرناکی بیان کی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کو اسلام نے جو حقوق عطا کیے ہیں ان کی وضاحت ہے۔ پھر ان حقوق پر مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مہر و نفقہ کا مسئلہ ہو یا طلاق و خلع کا، حجاب کی بحث ہو یا تعددِ ازدواج کی، خاندان کی سربراہی کا قضیہ ہو یا ریاست کی قیادت کا تمام ہی قابلِ ذکر پہلو زیرِ بحث آئے ہیں اور ان میں عورتوں کی مخصوص جسمانی صلاحیت، نفسیاتی تقاضے، معاشی ذمہ داریاں اور عدل و مساوات کے تقاضے تمام ہی پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہے۔ اس کی اضافی خوبی اس کا علمی اور استدلالی اسلوب ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندی اور انگریزی کے علاوہ ملک کی دیگر علاقائی زبانوں میں بھی اس قیمتی تصنیف کے ترجمے ہوں۔

دوسرا ایڈیشن   صفحات ۲۰۰   قیمت ۳۵ روپے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲